اِکرَام ضَیْف

از قلم: حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی رضی اللہ عنہ

اکرام ضیف یعنی مہمان نوازی ان اخلاق فاضلہ میں سے ہے جو سوسائٹی اور تمدن کے لئے بمنزلہ روح کے ہیں۔ مہمان نوازی سوسائٹی میں احترام اور امن کا جذبہ پیدا کرتی ہے، اس سے عناد اور حسد دور ہوتا ہے اور ایک دوسرے پر اعتماد بڑھتا ہے۔

حضرت نبی اکرم ﷺ نے اکرام ضیف کے لئے خاص طور پر ہدایت فرمائی ہے بلکہ اس کو ایمان کے نتائج اور ثمرات میں سے قرار دیا ہے چنانچہ صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مَن کَانَ یُومِنُ بِاللّٰہِ وَالیَومِ الآخِرِ فَلْیُکرِمْ ضَیْفَہ یعنی جو شخص خدا تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔

ایمان کامل نہیں ہوتا جب تک یہ اخلاقی قوت اس میں نشوونما نہیں پاتی۔ اکرام ضیف میں بہت سی باتیں داخل ہیں یا یہ کہو کہ اس کے مختلف اجزاء ہیں۔ اس کے حقوق کی رعایت کرنا، مرحبا کہنا، نرمی کرنا، اظہار بشاشت کرنا، حسب طاقت کھانا وغیرہ کھلانا اور اس کے آرام میں ایثار سے کام لینا اور جب وہ روانہ ہو تو اس کی مشایعت کرنا۔

اکرام ضیف انبیاء علیہم السلام کی سنت میں داخل ہے اور حقیقت میں یہ خلق کامل طور پر ان میں ہی پایا جاتا ہے۔ اور پھر اس کا کامل ترین نمونہ آنحضرت ﷺ کے اسوہ حسنہ اور آپ کے بروز حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں موجود ہے۔ خدا تعالیٰ کی ایک مخلوق ان کے پاس بغرض حصول ہدایت آتی ہے اور وہ حق پہنچانے کے لئے اپنے دل میں ایک جوش اور تڑپ رکھتے ہیں اور پھر سنت اللہ کے موافق ان کی مخالفت بھی شدید ہوتی ہے مگر ہر حالت میں وہ اپنے مہمانوں کے آرام اور خاطر مدارات میں کبھی فرق نہیں کرتے اور ان کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ان کے مہمانوں کو آرام ملے۔

حضرت مسیح موعودؑ کی خصوصیت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تو خصوصیت سے اس کی طرف توجہ تھی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت آپ کو وحی الٰہی کے ذریعہ سے آنے والی مخلوق کی خبر دی تھی اور فرمایا تھا کہ تیرے پاس دور دراز سے لوگ آئیں گے اور ایسا ہی فرمایا لاَ تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰہِ وَلاتَسْئَمْ مِنَ النَاسِ ۔غرض یہاں تو پہلے ہی مہمانوں کے بکثرت آنے کی خبر دی گئی تھی اور پہلے ہی سے اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب کو وسعت اور دل میں حوصلہ پیدا کر رکھا تھا۔ اور مہمان نوازی کے لئے آپ گویا بنائے گئے تھے۔ اب میں آپ کی زندگی کے واقعات میں انشاء اللہ العزیز دکھاؤں گا کہ آپ نے کس طرح پر مہمان نوازی کا حق ادا کیا اور ایک اسوہ حسنہ اکرام ضیف کا چھوڑا۔

اکرام ضیف کی روح آپؑ میں فطرتاً آئی تھی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے جس خاندان میں پیدا کیا وہ اپنی عزت و وقار کے لحاظ سے ہی ممتاز نہ تھا بلکہ اپنی مہمان نوازی اور جود وسخا کے لئے بھی مشار الیہ تھا۔ اس خاندان کا دسترخوان ہمیشہ وسیع تھا۔ جس عظیم خاتون کو حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ السلام جیسا بیٹا جننے کا فخر حاصل ہے وہ خاص طور پر مہمان نوازی کے لئے مشہور تھیں۔ قادیان میں پرانے زمانہ کے لوگ ہمیشہ ان کی اس صفت کا اظہار کیا کرتے تھے اور میں نے بلاواسطہ ان سے سنا جنہوں نے اس زمانہ ہی کو نہیں پایا بلکہ اس مائدہ سے حصہ لیا۔ چنانچہ حیات احمد جلد اول کے صفحہ ۱۷۴، ۱۷۵ پر حضرت مائی چراغ بی بی صاحبہ مرحومہ کا ذکر کر چکا ہوں اور ان کی اس اخلاقی خوبی کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

’’مہمان نوازی کے لئے ان کے دل میں نہایت جوش اور سینہ میں وسعت تھی۔ وہ لوگ جنہوں نے ان کی فیاضیاں اور مہمان نوازیاں دیکھی ہیں ان میں سے بعض اس وقت تک زندہ ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہیں اگر باہر سے یہ اطلاع ملتی کہ چار آدمیوں کے لئے کھانا مطلوب ہے تو اندر سے جب کھانا جاتا تو آٹھ آدمیوں سے بھی زائد کے لئے بھیجا جاتا اور مہمانوں کے آنے سے انہیں خوشی ہوتی‘‘۔

(حیات احمد جلد اول صفحہ ۱۷۴، ۱۷۵)

گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے شیر مادر کے ساتھ مہمان نوازی کو پیا تھا۔ جب سے آپ نے آنکھ کھولی اس خوبی کو سیکھا۔ اور پھر جب خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے ان کو مسح کیا اور معطر فرمایا تو حالت ہی بدل گئی اور وہ قوتیں جو آپ میں بطور بیج کے تھیں ایک بہت بڑے درخت کی صورت میں نمودار ہوئیں۔

آپ پہلے سے خدا تعالیٰ کی وحی پا کر ان مہمانوں کے استقبال اور اکرام کے لئے تیار تھے جن کے آنے کا خدا نے وعدہ فرمایا تھا۔

قبل بعثت اور بعد بعثت کی مہمان نوازی

آپ کی مہمان نوازی پر کبھی کسی وقت نے کوئی خاص اثر نہیں پیدا کیا۔ جب آپ خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور نہ ہوئے تھے اس وقت بھی بعض لوگ آپ کے پاس آتے تھے۔ ان کی مہمان نوازی میں بھی آپ کا وہی طریق تھا جو ماموریت کے بعد تھا۔ پہلے جب بہت ہی کم اور کبھی کبھار کوئی شخص آتا تھا اس وقت کوئی خاص التفات نہ تھی کہ خرچ کم ہے بعد میں جب سینکڑوں ہزاروں آنے لگے تو کوئی غیر التفاتی نہیں ہوئی کہ بہت آنے لگے ہیں۔

غرض ہر زمانہ میں آپ کی شان مہمان نوازی یکساں پائی جاتی ہے، یعنی کیفیت وہی رہی ۔مہمانوں کی کثرت نے اس میں ترقی کا رنگ پیدا کیا، کوئی کمی نہیں ہوئی۔ اب میں واقعات کی روشنی میں آپ کے اس خلق عظیم کی تصویر دکھاتا ہوں۔

ایک عجیب واقعہ

حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحبؓ جب سے حضرت مسیح موعود کی خدمت میں آنے لگے ہیں ان کو ایک خاص مذاق اور شوق رہا ہے کہ وہ اکثر باتیں حضرت کی نوٹ کر لیا کرتے اور دوستوں کو سنایا کرتے۔

انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض اخلاق کا ذکر برادر منشی محمد عبداللہ بوتالوی سے کیا اور منشی محمد عبداللہ صاحب نے مجھے لکھ کر بھیجا جو میں نے ۲۱/اپریل ۱۹۱۸ء کے الحکم میں سیرت المہدی کا ایک ورق کے عنوان سے چھاپ دیا۔ اس میں اکرام ضیف کے عنوان کے نیچے یہ واقعہ درج ہے کہ:

''ایک مرتبہ ایک مہمان نے آ کر کہا کہ میرے پاس بستر انہیں ہے۔ حضرت صاحب نے حافظ حامد علی صاحب کو (جو ۱۹۱۸ء میں مختصر سی دوکان قادیان میں کرتے تھے اور حضرت کے پرانے مخلص خادم تھے اور اب فوت ہو چکے ہیں اللھم ارحمہ) کہا کہ اس کو لحاف دے دو۔ حافظ حامد علی صاحب نے عرض کیا کہ یہ شخص لحاف لے جائے گا وغیرہ وغیرہ۔ اس پر حضرت نے فرمایا:

''اگر لحاف لے جائے گا تو اس کا گناہ ہوگا اور اگر بغیر لحاف کے مر گیا تو ہمارا گناہ ہوگا''۔

اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ وہ مہمان بظاہر کوئی ایسا آدمی نہ معلوم ہوتا تھا جو کسی دینی غرض کے لئے آیا ہو بلکہ شکل وصورت سے مشتبہ پایا جاتا تھا مگر آپ نے اس کی مہمان نوازی میں کوئی فرق نہیں کیا۔ اور اس کی آسائش و آرام کو اپنے آرام پر مقدم کیا۔

مہمان نوازی کے لئے ایثار کلی کی تعلیم ایک کہانی کے رنگ میں

وہی صاحب حضرت مفتی صاحب کی روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مہمان کثرت سے آ گئے۔ بیوی صاحبہ (حضرت ام المومنین) گھبرائیں۔ (اس زمانہ میں مهمانوں کا کھانا سب اندر تیار هوتاتها اور تمام انتظام و انصرام اندرهوتا تها اس لئے گهبرا جانا معمولی بات تهی۔ عرفانی) مجھے (مفتی محمد صادق کو) جو مکان حضرت صاحب نے دے رکھا تھا وہ بالکل نزدیک تھا۔ (یه وه مکان هے جهاں آج کل حضرت صاحبزاده مرزا بشیر احمد صاحب رهتے هیں ۔ اس وقت یه مکان نهایت شکسته حالت میں تها۔ بعد میں خاکسار عرفانی نے اسے خرید لیا اور خدا نے اسے توفیق دی که اس کا 1/3 حصه حضرت اقدس کے نام هبه کر دے۔ خدا تعالیٰ اسے قبول فرمائے ۔آمین۔ پهروه سارا مکان حضرت کے قبضه میں آ گیا۔ عرفانی)۔ میں سنتا رہا۔ حضرت صاحب نے بیوی صاحبہ کو ایک کہانی سنانی شروع کی۔ فرمایا ایک شخص کو جنگل میں رات آ گئی۔ اس نے ایک درخت کے نیچے بسیرا کر دیا۔ اس درخت کے اوپر ایک کبوتر اور کبوتری کا گھونسلہ بنا ہوا تھا۔ وہ دونوں آپس میں باتیں کرنے لگے کہ ہمارے ہاں مہمان آیا ہے ۔ اس کی کیا خاطر کریں۔ نر نے کہا کہ سردی ہے بستر اس کے پاس نہیں ہم اپنا آشیانہ گرا دیں اس سے آگ جلا کر یہ رات گزار لے گا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ انہوں نے سوچا اب اس کے واسطے کھانا نہیں ہے ہم دونوں اپنے آپ کو نیچے گرا دیں تا کہ وہ ہمیں بھی کھا لے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کس لطیف پیرایہ میں اکرام ضیف کی تاکید فرمائی حضرت ام المومنین کو اللہ تعالیٰ نے خود ایک وسیع حوصلہ دیا ہے اور وہ مہمانوں کی خدمت و دلداری میں جو حصہ لیتی ہیں اس سے وہ لوگ خوب واقف ہیں جن کی مستورات سالانہ جلسہ پر آتی ہیں۔ شروع شروع میں قادیان میں ضروری اشیاء بھی بڑی دقّت سے ملا کرتی تھیں تو مہمانوں کی کثرت بعض اوقات انتظامی دقتیں پیدا کر دیا کرتی تھی۔ یہ گھبراہٹ بھی انہیں دقتوں کے رنگ میں تھی۔ یہ واقعہ حضرت صاحب کی مہمان نوازی کا ہی بہترین سبق نہیں بلکہ مہمانوں کے لئے وہ اعلیٰ درجہ کی محبت و ایثار جو آپ میں تھا اور جو آپ اپنے گھر والوں کے دل میں پیدا کرنا چاہتے تھے اس کی بھی نظیر ہے پھر آپ کے حسنِ معاشرت پر بھی معاً روشنی ڈالتا ہے کہ کس رفق اور اخلاق کے ساتھ ایسے موقعہ پر کہ انسان گھبرا جاتا ہے اصل مقصد کو زیر نظر رکھتے ہیں۔ (عرفانی)۔

ڈاکٹر عبداللہ صاحب نومسلم کا واقعہ

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے نیاز حاصل کرنے کے لئے لاہور سے دو دن کی رخصت لے کر آیا۔ (ڈاکٹر صاحب انجمن حمایت اسلام کے شفا خانه میں کام کرتے تهے ۔ایڈیٹر) رات کی گاڑی پر بٹالہ اترا اس لئے رات وہیں رہا۔ اور صبح سویرے اٹھ کر قادیان کو روانہ ہو گیا۔ اور ابھی سورج تھوڑا ہی نکلا تھا کہ یہاں پہنچ گیا۔ میں پرانے بازار کی طرف سے آ رہا تھا۔ جب میں مسجد اقصیٰ کے قریب جو بڑی حویلی (ڈپٹی شنکر داس کی حویلی) ہے وہاں پہنچا تو میں نے اس جگہ (جہاں اب حضرت مرزا شریف احمد صاحب کا مکان ہے۔ اور اس وقت یہ جگہ سپید ہی تھی)۔ حضرت مسیح موعودؑ کو ایک مزدور کے پاس جو اینٹیں اٹھا رہا تھا کھڑے ہوئے دیکھا ۔ حضرت صاحب نے بھی مجھے دیکھ لیا۔ آپ مجھے دیکھتے ہی مزدور کے پاس سے آ کر راستہ پر کھڑے ہو گئے۔ میں نے قریب پہنچ کر **السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته** کہا۔ آپ نے **وعلیکم السلام** فرمایا۔ اور فرمایا کہ اس وقت کہاں سے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ میں رات بٹالہ رہا ہوں اور اب حضور کی خدمت میں وہاں سے سویرے چل کر حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ پیدل آئے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں حضور۔ افسوس کے لہجے میں فرمایا کہ تمہیں بڑی تکلیف ہوئی ہوگی۔ میں نے عرض کیا حضور کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ آپ نے فرمایا اچھا بتاؤ چائے پیو گے یا لسّی؟ میں نے عرض کیا کہ حضور کچھ بھی نہیں پیوں گا۔ آپ نے فرمایا تکلف کی کوئی ضرورت نہیں، ہمارے گھر گائے ہے جو کہ تھوڑا سا دودھ دیتی ہے ۔ گھر والے چونکہ دہلی گئے ہوئے ہیں اس لئے اس وقت لسیّ بھی موجود ہے اور چائے بھی، جو چاہو پی لو۔ میں نے کہا حضور لسّی پیوں گا۔ آپ نے فرمایا اچھا چلو مسجد مبارک میں بیٹھو۔ میں مسجد میں آ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد بیت الفکر کا دروازہ کھلا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضور ایک کوری ہانڈی معہ کوری چپنی کے جس میں لسیّ تھی خود اٹھائے ہوئے دروازہ سے نکلے، چپنی پر نمک تھا اور اس کے اوپر ایک گلاس رکھا ہوا تھا۔ حضور نے وہ ہانڈی میرے سامنے لا کر رکھ دی اور **خود اپنے دست مبارک سے گلاس میں لسّی ڈالنے لگے** میں نے خود گلاس پکڑ لیا۔ اتنے میں چند اور دوست بھی آ گئے میں نے انہیں بھی لسّی پلائی اور خود بھی پی۔ پھر حضور خود وہ ہانڈی اور گلاس لے کر اندر تشریف لے گئے۔ حضور کی اس شفقت اور نوازش کو دیکھ کر میرے ایمان کو بہت ترقی ہوئی اور یہ حضور کے اخلاق کریمانہ کی ایک ادنیٰ مثال ہے۔

ڈاکٹر عبداللہ صاحب اس وقت تک خدا تعالیٰ کے فضل سے زندہ ہیں اور یہ خود ان کا اپنا بیان ہے۔ سادگی کے ساتھ اس واقعہ پر غور کرو کہ حضرت مسیح موعود کے کیریکٹر (سیرت) کے بہت سے پہلوؤں پر اس سے روشنی پڑتی ہے۔ **آپ کی سادگی اور بے تکلفی کی ایک شان اس سے نمایاں ہے**۔ اکرام ضیف کا پہلو واضح ہے۔ اپنے احباب پر کسی بھی قسم کی برتری حکومت آپ کے قلب میں پائی نہیں جاتی۔ اور سب سے بڑھ کر جو پہلو اس مختصر سے واقعہ میں پایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ کو اپنے دوستوں جو آپ کے خادم کہلانے میں اپنی عزت وفخر یقین کرتے اور آپ کی کفش برداری اپنی سعادت سمجھتے ہیں کی تکلیف کا احساس از بس ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے پیدل چل کر آنے پر فوراً آپ کے قلب مطہر کو اس تکلیف کا احساس ہوا جو عام طور پر ایک ایسے شخص کو جو پیدل چلنے کا عادی نہ ہو دس گیارہ میل کا سفر کرنے سے ہو سکتی ہے۔ غرض یہ واقعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے۔

مولوی علی احمد بھاگلپوری کا واقعہ

مولوی احمد علی صاحب ایم اے بھاگلپوری بیان کرتے ہیں کہ میں جب پہلی مرتبہ دارالامان میں فروری ۱۹۰۸ء میں آیا۔ جب حضرت اقدس مسیح موعود علیہ التحیۃ والسلام کا وجود باجود ہم میں موجود تھا۔ یوں تو حضرت اقدس کی مہمان نوازی اور اکرام ضیف کے قصے زبان زد خاص و عام ہیں لیکن میں اپنا ایک ذاتی تجربہ بیان کرتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ علاوہ خلیل اللہ جیسی مہمان نوازی کے حضور کو اپنے ان خدام کے وابستگان کا جن کو اس دارفانی سے رحلت کئے ایک عرصہ گزر گیا تھا کتنا خیال تھا اور ان کی دلجوئی حضور فرماتے تھے۔ میں جس دن یہاں پہنچا تو ماسٹر عبدالرحیم صاحب نیر مبلغ اسلام متعینہ نائجیریا نے حضور کو ایک رقعہ کے ذریعہ مجھ جیسے ہیچمیرز آدمی کے آنے کی اطلاع کی اور اس میں اس تعلق کو بھی بیان کیا جو مجھے حضرت مولانا حسن علی صاحب واعظ اسلام رضی اللہ عنہ سے تھا جن کی وفات فروری ۱۸۹۶ء میں واقع ہوئی تھی۔ میں نے بچشم خود دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا کہ حضور نے مہمان خانہ کے مہتمموں کو بلا کر سخت تاکید میری راحت رسانی کی فرمائی۔ وہ بیچارے کچھ ایسے پریشان سے ہو گئے۔ میں نے انہیں یہ کہہ کر کہ میں یہاں آرام اٹھانے اور مہمان داری کرانے کے لئے نہیں آیا ہوں میں اس مقصد کے حصول کی کوشش میں آیا ہوں جس کو لے کر حضور مبعوث ہوئے ہیں ان کو مطمئن کیا۔

حضرت مولوی حسن علی صاحبؓ کا واقعہ اور اعتراف مہمان نوازی

حضرت مولوی حسن علی صاحب بھاگلپوری پہلے اسلامی مشنری تھے جنہوں نے ۱۸۸۶ء میں ایک سکول کی ہیڈ ماسٹری سے استعفیٰ دے کر اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا اہم فریضہ اپنے ذمہ لیا۔ وہ ۱۸۸۷ء میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسہ پر تشریف لائے اور امرتسر میں بابو محکم الدین صاحب مختار عدالت اور دوسرے لوگوں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر سنا۔ اس وقت آپ نے کوئی دعویٰ نہیں کیا تھا۔ اور نہ ابھی بیعت لیتے تھے البتہ براہین احمدیہ اور دوسری کتابیں شائع ہو چکی تھیں۔ اکثر نیک دل اور سلیم الفطرت لوگ آپ سے فیض پانے کے لئے قادیان بھی آتے رہتے تھے۔ مولوی حسن علی صاحب مرحوم نے اپنے واقعہ کا خود اپنی قلم سے ذکر کیا جو ان کی کتاب تائید حق میں چھپا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

''جب میں امرتسر گیا تو ایک بزرگ کا نام سنا۔ جو مرزا غلام احمد کہلاتے ہیں ضلع گورداسپور کے ایک گاؤں قادیان نامی میں رہتے ہیں اور عیسائیوں، برہمو اور آریہ سماج والوں سے خوب مقابلہ کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک کتاب براہین احمدیہ نام بنائی ہے جس کا بڑا شہرہ ہے۔ ان کا بہت بڑا دعویٰ یہ ہے کہ ان کو الہام ہوتا ہے۔ مجھ کو یہ دعویٰ معلوم کر کے تعجب نہ ہوا۔ گو میں ابھی تک اس الہام سے محروم ہوں جو نبی کے بعد محدث کو ہوتا رہا ہے لیکن میں اس بات کو بہت ہی عجیب نہیں سمجھتا تھا۔ مجھ کو معلوم تھا کہ علاوہ نبی کے بہت سے بندگان خدا ایسے گزرے ہیں جو شرف مکالمہ الٰہیہ سے ممتاز ہوا کئے ہیں۔ غرض میرے دل میں جناب مرزا غلام احمد صاحب سے ملنے کی خواہش ہوئی۔ امرتسر کے دو ایک دوست میرے ساتھ چلنے کو مستعد ہوئے۔ ریل پر سوار ہو کر بٹالہ پہنچا۔ ایک دن بٹالہ میں رہا پھر بٹالہ سے یکہ کی سواری ملتی ہے اس پر سوار ہو کر قادیان پہنچا۔ مرزا صاحب مجھ سے بڑے تپاک اور محبت سے ملے۔ جناب مرزا صاحب کے مکان پر میرا وعظ ہوا۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کے لئے چندہ بھی ہوا۔ میرے ساتھ جو صاحب تشریف لے گئے وہ مرزا صاحب کے دعویٰ الہام کی وجہ سے سخت مخالف تھے اور مرزا صاحب کو فریبی اور مکار سمجھتے تھے۔ لیکن مرزا صاحب سے مل کر ان کے سارے خیالات بدل گئے اور میرے سامنے انہوں نے جناب مرزا صاحب سے اپنی سابق کی بدگمانی کے لئے معذرت کی، مرزا صاحب کی مہمان نوازی کو دیکھ کر مجھ کو بہت تعجب سا گزرا۔ ایک چھوٹی سی بات لکھتا ہوں جس سے سامعین ان کی مہمان نوازی کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ مجھ کو پان کھانے کی بری عادت تھی۔ امرتسر میں تو مجھے پان ملا۔ لیکن بٹالہ میں مجھ کو کہیں پان نہ ملا ناچار الائچی وغیرہ کھا کر صبر کیا۔ میرے امرتسر کے دوست نے کمال کیا کہ حضرت مرزا صاحب سے نہ معلوم کس وقت میری اس بری عادت کا تذکرہ کر دیا۔ جناب مرزا صاحب نے گورداسپور ایک آدمی روانہ کیا دوسرے دن گیارہ بجے دن کے جب کھانا کھا چکا تو پان موجود پایا۔ **سولہ کوس سے پان میرے لئے منگوایا گیا تھا**''۔ (تائید حق صفحہ ۵۵،۵۶)

یہ واقعہ اس شخص نے بیان کیا ہے جو اسلامی جوش تبلیغ اور اپنی قربانی کے لحاظ سے بے غرض اور صاف گو تھا اور واقعہ اس زمانہ کا ہے جب کہ آپ کا کوئی دعویٰ مسیحیت یا مہدویت کا نہ تھا اور نہ آپ بیعت لیتے تھے۔ **ایک مہمان کی ضرورت سے واقف ہو کر اس قدر تردد اور کوشش** کہ سولہ کوس کے فاصلہ سے پان منگوایا گیا۔

مہمان نوازی کے اس وصف نے اس شخص کو جو ہندوستان کے تمام حصوں میں پھر چکا تھا اور بڑے بڑے آدمیوں کے ہاں مہمان رہ چکا تھا، حیران کر دیا۔ اس کی سعادت اور خوش قسمتی تھی کہ اسے سات سال بعد ۱۸۹۴ء میں پھر قادیان لائی اور اس کو حضرت اقدس کی غلامی کی عزت بخشی جس پر وہ ساری عزتوں کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ غرض یہ واقعہ بھی اپنی نوعیت میں ایک عجیب روشنی آپ کے وصف مہمان نوازی پر ڈالتا ہے۔

حضرت میر حامد شاہ صاحبؓ کا ایک واقعہ

حضرت میر حامد شاہ صاحب سیالکوٹی رضی اللہ عنہ نے ایک واقعہ اپنی ذات کے متعلق تحریر فرمایا کہ:

''ابتدائی زمانہ کا واقعہ ہے اور ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اس عاجز نے حضور مرحوم و مغفور کی خدمت میں قادیان میں کچھ عرصہ قیام کے بعد رخصت حاصل کرنے کے واسطے عرض کیا۔ حضور اندر تشریف

رکھتے تھے اور چونکہ حضور کی رافت ورحمت بے پایاں نے خادموں کو اندر پیغام بھجوانے کا موقعہ دے رکھا تھا اس واسطے اس عاجز نے اجازت طلبی کے واسطے پیغام بھجوایا۔ حضور نے فرمایا کہ:

'وہ ٹھہریں ہم ابھی باہر آتے ہیں'

یہ سن کر میں بیرونی میدان میں گول کمرہ کے ساتھ کی مشرقی گلی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اور باقی احباب بھی یہ سن کر کہ حضور باہر تشریف لاتے ہیں پروانوں کی طرح ادھر ادھر سے اس شمع انوار الٰہی پر جمع ہونے کے لئے آ گئے۔ یہاں تک کہ سیدنا مولانا نورالدین صاحب بھی تشریف لے آئے اور احباب کی جماعت اکٹھی ہو گئی۔ ہم سب کچھ دیر انتظار میں خم بر سر راہ رہے کہ حضور اندر سے برآمد ہوئے۔ خلاف معمول کیا دیکھتا ہوں کہ حضور کے ہاتھ میں دودھ کا بھرا ہوا لوٹا ہے اور گلاس شاید حضرت میاں صاحب کے ہاتھ میں ہے اور مصری رومال میں ہے۔ حضور گول کمرہ کی مشرقی گلی سے برآمد ہوتے ہی فرماتے ہیں کہ شاہ صاحب کہاں ہیں؟ میں سامنے حاضر تھا فی الفور آگے بڑھا اور عرض کیا حضور حاضر ہوں۔ حضور کھڑے ہو گئے اور مجھ کو فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ میں اسی وقت زمین پر بیٹھ گیا۔ گلاس میں دودھ ڈالا گیا اور مصری ملائی گئی۔ مجھے اس وقت یہ یاد نہیں رہا کہ حضرت محمود نے میرے ہاتھ میں گلاس دودھ بھر ادیا یا خود حضور نے (میں اس واقعہ کا دیکھنے والا ہوں خود حضرت نے گلاس اپنے ہاتھ سے دیا اور میری آنکھ اب تک اس موثر نظارے کو دیکھتی ہے گویا وہ بڑا گلاس حضرت کے ہاتھ سے میر صاحب کو دیا جا رہا ہے۔ ایڈیٹر) مگر یہ ضرور ہے کہ حضرت محمود اس کرم فرمائی میں شریک تھے۔ (صورت یہ تھی کہ حضرت نے مصری گھول کر لوٹے میں ڈالی اور اس کو ہلایا اور گلاس میں دودھ ڈال کر اچھی طرح سے ہلایا۔ پھر حضرت گلاس میں ڈالتے اور گلاس حضرت محمود کے ہاتھ میں ہوتا۔ پھر حضرت گلاس لے کر میر صاحب کو دیتے۔ بعض دوستوں نے خود یہ کام کرنا چاہا مگر حضرت نے فرمایا نہیں نہیں کچھ حرج نہیں۔ ایڈیٹر)۔ میں نے جب وہ گلاس پی لیا تو پھر دوسرا گلاس پر کر کے عنایت فرمایا گیا میں نے وہ بھی پی لیا۔ گلاس بڑا تھا میرا پیٹ بھر گیا۔ پھر اسی طرح تیسرا گلاس بھرا گیا میں نے بہت شرمگین ہو کر عرض کیا کہ حضور اب تو پیٹ بھر گیا ہے۔ فرمایا اور پی لو۔ میں نے وہ تیسرا گلاس بھی پی لیا۔ پھر حضور نے اپنی جیب خاص سے چھوٹی چھوٹی بسکٹیں نکالیں اور فرمایا کہ جیب میں ڈال لو راستہ میں اگر بھوک لگی تو یہ کھانا۔ میں نے وہ جیب میں ڈال لیں۔ حضرت محمود لوٹا اور گلاس لے کر اندر تشریف لے گئے۔ اور حضور نے فرمایا کہ چلو آپ کو چھوڑ آئیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضور اب میں سوار ہو جاتا ہوں اور چلا جاؤں گا حضور تکلیف نہ فرمائیں مگر اللہ رے کرم ورحم کہ حضور مجھ کو ساتھ لے کر روانہ ہو پڑے۔

باقی احباب جو موجود تھے ساتھ ہو لئے اور یہ پاک مجمع اسی طرح اپنے آقا مسیح موعود کی محبت میں اس عاجز کے ہمراہ روانہ ہوا۔ حضور حسب عادت مختلف تقاریر فرماتے ہوئے آگے آگے چلتے رہے یہاں تک کہ بہت دور نکل گئے۔ تقریر فرماتے تھے اور آگے بڑھتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت سیدنا و مولانا مولوی نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ نے قریب آ کر مجھے کان میں فرمایا کہ: آگے ہو کر عرض کرو اور رخصت لو جب تک تم اجازت نہ مانگو گے حضور آگے بڑھتے چلے جائیں گے۔ میں حسب ارشاد والا آگے بڑھا اور عرض کیا کہ حضور اب سوار ہوتا ہوں حضور تشریف لے جائیں۔ اللہ اللہ! کس لطف سے اور مسکراتے ہوئے فرمایا کہ: ''**اچھا ہمارے سامنے سوار ہو جاؤ**''۔ میں یکہ میں بیٹھ گیا اور سلام عرض کیا تو پھر حضور واپس ہوئے۔

مجھے یاد ہے کہ محمد شادی خان صاحب بھی اس وقت بٹالہ جانے کے واسطے میرے ساتھ سوار ہوئے تھے۔ انہوں نے حضور کی اس کریمانہ عنایت خاص پر تعجب کیا اور دیر تک راستہ میں مجھ سے تذکرہ کرتے رہے اور ہم خوش ہو ہو کر آپ کے اخلاق کریمانہ کے ذکر سے مسرور ہوتے تھے۔

''اے خدا کے پیارے اور محمدؐ کے دلارے مسیح موعود تجھ پر ہزاروں سلام ہوں کہ تو اپنے خادموں کے ساتھ کیسا مہربان تھا۔ تیری محبت ہمارے ایمانوں کے لئے اکسیر تھی۔ جس سے ہمارے مس خام کو کندن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ تیرے اخلاق کریمانہ اب بھی یاد آ آ کر خدا تعالیٰ کے حضور میں ہمارے قرب کا موجب ہو رہے ہیں''۔

حضرت میر حامد شاہ صاحب رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ خود راقم الحروف کی آنکھوں کے سامنے گزرا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ ایسے بہت سے واقعات کا عینی شاہد اللہ کے فضل سے ہے۔ اس واقعہ کو پیش کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی اور سیرت کے میں صرف اس اسوہ ہی کو پیش نہیں کر رہا ہوں جو مہمان نوازی، اکرام ضیف اور مشایعت مہمان کے پہلوؤں پر حاوی ہے بلکہ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضور کو اپنا کام آپ کرنے میں قطعاً تامل نہ ہوتا تھا اور معاً یہ واقعہ آپ کی صداقت کی بھی ایک زبردست دلیل ہے۔ اگر تکلف اور تصنع کو آپ کے اخلاق کے ساتھ کوئی تعلق ہوتا تو آپ اپنے مخلص اور جانثار مریدوں کے درمیان اس طرح پر کھڑے ہو کر اپنے ایک خادم کو دودھ نہ پلاتے جیسے ایک خادم اپنے آقا کو پلاتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ محبت اور ہمدردی مخلوق کے اس مقام پر کھڑا تھا جہاں انسان باپ سے بھی زیادہ مہربان اور شفیق ہوتا ہے۔ وہ اپنے خادموں کو غلام نہیں بلکہ اپنے معزز اور شریف بھائی سمجھتا تھا۔ ان کے اکرام واحترام سے وہ سبق دیتا تھا کہ ہم کو کس طرح پر اپنے بھائیوں سے سلوک کرنا چاہئے اور کس طرح ایک دوسرے سے احترام کے اصول پر کاربند ہو کر اس حقیقی عزت واحترام کا دائرہ وسیع کرنا چاہئے جو مومنین کا خاصہ ہے۔

کیا دنیا کے پیروں اور مرشدوں میں اس کی نظیر پائی جاتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ ہاں یہ نظیر اگر ملے گی تو اس جماعت میں جو انبیاء علیہم السلام کی جماعت ہے اور یا ان لوگوں میں ملے گی جنہوں نے منہاج نبوت پر خدا تعالیٰ کی تجلیوں اور فیوض کو حاصل کیا ہے۔

منشی عبدالحق نومسلم کا واقعہ

منشی عبدالحق بی اے جو مولوی چراغ الدین صاحب قصوری مدرس مشن سکول لاہور کے فرزند رشید ہیں اور ایک زمانہ میں عیسائی ہو گئے تھے اور لاہور مشن کالج میں بی اے کلاس میں پڑھتے تھے۔ انہوں نے الحکم اور حضرت اقدس کی بعض تحریروں کو پڑھ کر حضرت اقدس کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا تھا کہ وہ اسلام کی حقانیت اور صداقت کو عملی رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس پر حضرت خلیفۃ اللہ نے ان کو لکھ بھیجا تھا کہ وہ کم از کم دو ماہ کے لئے قادیان آ جائیں۔ چنانچہ وہ ۲۳ دسمبر ۱۹۰۱ء کو بعد دوپہر قادیان پہنچے۔ حضرت اقدس کی طبیعت ان ایام میں ناساز تھی مگر باوجود ناسازی مزاج کے آپ دوسرے مہمانوں اور اس حق جو مہمان کے لئے باہر تشریف لے آئے اور سیر کو تشریف لے گئے۔ اور تمام راستہ میں آتی اور جاتی دفعہ برابر تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس تبلیغ کا نتیجہ تو آخر میں یہ ہوا کہ یہ نوجوان مسلمان ہو گیا اور برہان الحق ایک رسالہ بھی تالیف کیا اور بھی چھوٹے چھوٹے رسالے لکھے۔ مگر میں جس واقعہ کی طرف اشارہ کر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ باوجود ناسازی طبیعت آپ مہمان نوازی کے اعلیٰ مقام پر ہونے کے باعث باہر تشریف لائے اور یہ دیکھ کر کہ وقت کو غنیمت سمجھنا چاہئے آپ نے پوری تبلیغ فرمائی اور آخر میں منشی عبدالحق صاحب کو فرمایا:

"آپ ہمارے مہمان ہیں اور مہمان وہی آرام پا سکتا ہے جو بے تکلف ہو پس آپ کو چاہئے کہ جس چیز کی ضرورت ہو مجھے بلا تکلف کہہ دیں"۔

پھر جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:

"دیکھو یہ ہمارے مہمان ہیں اور تم میں سے ہر ایک کو مناسب ہے کہ ان سے پورے اخلاق سے پیش آوے اور کوشش کرتا رہے کہ ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو"۔(اخبار الحکم ،۳۱؍جنوری ۱۹۰۲ء صفحہ ۳،۴)

منشی عبدالحق صاحب پر تو جو اثر حضرت کی تبلیغ کا ہوا اس کو آپ کے اس خُلقِ مہمان نوازی نے اور بھی قوی کر دیا اور جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے منشی صاحب مسلمان ہو گئے۔ اور اب تک مسلمان ہیں۔ انہوں نے میاں سراج الدین صاحب بی اے کا بھی ذکر کیا۔(یہ وھی سراج الدین ھے جس کے نام پر سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب شائع ہوا ھے)۔اس نے حضرت اقدس کی اعلیٰ درجہ کی اخلاقی خوبی کو خدا جانے کس آنکھ سے دیکھا۔ جب وہ یہاں سے گیا ہے تو حضرت اقدس اس کو چھوڑنے کے لئے تین میل تک چلے گئے تھے۔اس کا ذکر اس نے منشی عبدالحق سے ان الفاظ میں کیا:

"جب میں آیا تھا تو وہ تین میل تک مجھے چھوڑنے آئے تھے"۔

میں اس موقع پر سلیم الفطرت قلوب سے اپیل کروں گا کہ وہ غور کریں۔حضرت مسیح موعود ایک شخص کو (جو عیسائی ھو گیا تھا اور اس کے رشتہ دار وغیرہ اسے قادیان اس غرض سے لائے تھے کہ اسے کچھ فائدہ پھنچے۔ چونکہ وہ دراصل اپنے بعض مقاصد کو لے کر عیسائی ھوگیاتھا اس لئے کچھ فائدہ نہ اٹھا سکا) چھوڑنے جا رہے ہیں۔ کیا یہ کسی ذاتی غرض و مقصد کا نتیجہ ہے یا محض شفقت اور ہمدردی لئے جا رہی تھی۔ آپ کی فطرت میں یہ جوش تھا کہ کسی نہ کسی طرح یہ روح بچ جاوے اور اس وقت اور موقع کو غنیمت سمجھ کر آپ نے اکرام ضیف بھی کیا اور تبلیغ بھی کی مگر وہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکا۔

الغرض منشی عبدالحق صاحب جب تک یہاں رہے حضرت کی مہمان نوازی کے معترف رہے اور اس کا ان کے قلب پر خاص اثر تھا۔ میں نے ان ایام میں دیکھا کہ حضرت قریباً روزانہ منشی عبدالحق کو سیر سے واپس لوٹتے وقت یہ فرماتے کہ:

"آپ مہمان ہیں، آپ کو جس چیز کی تکلیف ہو مجھے بے تکلف کہیں کیونکہ میں تو اندر رہتا ہوں اور نہیں معلوم ہوتا کہ کس کو کیا ضرورت ہے۔آج کل مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے بعض اوقات خادم بھی غفلت کر سکتے ہیں۔آپ اگر زبانی کہنا پسند نہ کریں تو مجھے لکھ کر بھیج دیا کریں۔ مہمان نوازی تو میرا فرض ہے"۔

(اخبار الحکم ،۷؍فروری ۱۹۰۲ء صفحہ ۵)

ایک ہندو سادھو کی تواضع

اکتوبر ۱۹۰۲ء میں ایک ہندو سادھو کوٹ کپورہ سے آیا اور حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مسلمانوں کے لئے تو خاص تردد اور تکلیف نہیں ہو سکتی کیونکہ لنگر جاری تھا اور جاری ہے وہاں انتظام ہر وقت رہتا ہے لیکن ایک ہندو مہمان کے لئے خصوصیت سے انتظام کرنا پڑتا ہے اور چونکہ وہ انتظام دوسروں کے ہاں کرانا ہوتا ہے اس لئے مشکلات ظاہر ہیں تاہم حضرت اقدس ہمیشہ ایسے موقعہ پر بھی پورا التزام مہمان نوازی کا فرماتے تھے ۔۶؍اکتوبر کی شام کو اس نے حضرت اقدس سے ملاقات کی۔ آپؑ نے نہایت شفقت سے فرمایا کہ:

"یہ ہمارا مہمان ہے اس کے کھانے کا انتظام بہت جلد کر دینا چاہئے۔ ایک شخص کو خاص طور پر حکم دیا کہ ایک ہندو کے گھر اس کے لئے بندوبست کیا جاوے"۔

چنانچہ فوراً یہ انتظام ہو گیا۔آپ کے دستر خوان پر دوست دشمن کی کوئی خاص تمیز نہ تھی۔ ہر شخص کے ساتھ جو آپ کے یہاں مہمان آجاتا آپ پورے احترام اور فیاضی سے برتاؤ کرتے تھے۔ اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ **مہمان کا دل شیشے سے بھی نازک ہوتا ہے اس لئے بہت رعایت اور توجہ کی ضرورت ہے** اور بار بار لنگر خانہ کے خدام کو خود تاکید فرمایا کرتے تھے۔اور محض اسی خیال سے کہ مہمانوں کو کوئی تکلیف نہ ہو آپ نے اپنی حیات میں لنگر خانہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا تاکہ بعض ضوابط اور قواعد کی پابندیاں کسی کے لئے تکلیف کا موجب نہ ہو جائیں۔ اور آپ کا یہ بھی معمول تھا کہ آپ ہر مہمان کے متعلق اس امر کا بھی التزام رکھتے تھے کہ وہ کس قسم کی عادات کھانے کے متعلق رکھتا ہے ۔مثلاً اگر حیدر آباد یا کشمیر سے کوئی مہمان آتا تو آپ اس کے کھانے میں چاول کا خاص طور پر التزام فرماتے کیونکہ وہاں کی عام غذا چاول ہے۔اور اس امر کی خاص تاکید کی جاتی اور کوشش یہ رہتی تھی کہ مہمان اپنے آپ کو اجنبی نہ سمجھے بلکہ وہ یہی سمجھے کہ اپنے گھر میں ہے۔

حضرت اقدس کے معمولات میں یہ بات بھی تھی کہ جب وہ مہمانوں کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھتے تو ہمیشہ سب مہمانوں کے کھا چکنے کے بعد بھی بہت دیر تک کھاتے رہتے اور غرض یہ ہوتی تھی کہ کوئی شخص حجاب نہ کرے اور بھوکا نہ رہے اس لئے آپ بہت دیر تک کھانا کھاتے رہتے۔ اگر چہ آپ کی خوراک بہت ہی کم تھی غرض آپ کی مہمان نوازی عدیم المثال تھی اور آپ کا دستر خوان بہت وسیع تھا۔

مولانا ابوالکلام آزاد کے بڑے بھائی ابو نصر آہ مرحوم کا واقعہ

مولوی ابوالکلام آزاد (جو آج کل مسلمانوں کے سیاسی لیڈروں میں مشہور ہیں) کے بڑے بھائی مولوی ابونصر آہ مرحوم ۳؍مئی ۱۹۰۵ء کو قادیان تشریف لائے تھے اور اخلاص و محبت سے آئے تھے۔حضرت اقدس نے ان سے خطاب کر کے ایک مختصر سی تقریر کی تھی۔انہوں نے قادیان سے جانے کے بعد امرتسر کے اخبار وکیل میں اپنے سفر قادیان کا حال شائع کیا تھا۔

اگر چہ اس میں بعض دوسری باتوں کا بھی ذکر ہے اور اگر میں صرف اس حصہ کو یہاں درج کر دیتا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مہمان نوازی پر روشنی ڈالتا ہے تو اس بات کے موضوع کے لحاظ سے

مناسب تھا مگر اس مضمون کے ناتمام چھاپنے سے وہ اثر جو بحیثیت مجموعی پڑتا ہے کم ہو جاتا ہے اس لئے میں ان خیالات کو پورا درج کر دیتا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں:

’’میں نے اور کیا دیکھا؟ قادیان دیکھا۔ مرزا صاحب سے ملاقات کی، مہمان رہا۔ مرزا صاحب کے اخلاق اور توجہ کا مجھے شکر یہ ادا کرنا چاہئے۔ میرے منہ میں حرارت کی وجہ سے چھالے پڑ گئے تھے اور میں شور غذائیں کھا نہیں سکتا تھا۔ مرزا صاحب نے (جب کہ دفعتاً گھر سے باہر تشریف لے آئے تھے) دودھ اور پاؤ روٹی تجویز فرمائی‘‘۔

’’آج کل مرزا صاحب قادیان سے باہر ایک وسیع اور مناسب باغ (جو خود ان ہی کی ملکیت ہے) میں قیام پذیر ہیں۔ بزرگان ملت بھی وہیں ہیں۔ قادیان کی آبادی قریباً تین ہزار آدمیوں کی ہے۔ مگر رونق اور چہل پہل بہت ہے۔ نواب صاحب مالیر کوٹلہ کی شاندار اور بلند عمارت تمام بستی میں صرف ایک ہی عمارت ہے۔ راستے کچے اور ناہموار ہیں بالخصوص وہ سڑک جو بٹالہ سے قادیان تک آتی ہے۔ یکہ میں مجھے جس قدر تکلیف ہوئی تھی نواب صاحب کے رتھ نے لوٹتے کے وقت نصف کی تخفیف کر دی‘‘۔

’’اگر مرزا صاحب کی ملاقات کا اشتیاق میرے دل میں موجزن نہ ہوتا تو شاید آٹھ میل تو کیا آٹھ قدم بھی میں آگے نہ بڑھ سکتا‘‘۔

اکرام ضیف کی صفت خاص اشخاص تک محدود نہ تھی۔ چھوٹے سے لے کر بڑے تک ہر ایک نے بھائی کا سا سلوک کیا۔ اور مولانا حاجی حکیم نور الدین صاحب جن کے اسم گرامی سے تمام انڈیا واقف ہے اور مولانا عبد الکریم صاحب جن کی تقریر کی پنجاب میں دھوم ہے۔ مولوی مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر بدر جن کی تحریروں سے کتنے انگریز یورپ میں مسلمان ہو گئے ہیں۔ جناب میر ناصر نواب صاحب دہلوی جو مرزا صاحب کے خسر ہیں۔ مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی، ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز، مولوی یعقوب علی صاحب تراب ایڈیٹر الحکم۔ جناب شاہ سراج الحق صاحب وغیرہ وغیرہ پر لے درجہ کی شفقت اور نہایت محبت سے پیش آئے۔ افسوس کہ مجھے اور اشخاص کا نام یاد نہیں ورنہ میں ان کی مہربانیوں کا بھی شکر یہ ادا کرتا۔ مرزا صاحب کی صورت نہایت شاندار ہے جس کا اثر بہت قوی ہوتا ہے۔ آنکھوں میں ایک خاص طرح کی چمک اور کیفیت ہے اور باتوں میں ملائمت ہے۔ طبیعت منکسر مگر حکومت خیز۔ مزاج ٹھنڈا مگر دلوں کو گرما دینے والا اور بردباری کی شان نے انکساری کیفیت میں اعتدال پیدا کر دیا ہے۔ گفتگو ہمیشہ اس نرمی سے کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے گویا متبسم ہیں رنگ گورا ہے بالوں کو حنا کا رنگ دیتے ہیں۔ جسم مضبوط اور محنتی ہے سر پر پنجابی وضع کی سپید پگڑی باندھتے ہیں۔ سیاہ یا خاکی لمبا کوٹ زیب تن فرماتے ہیں پاؤں میں جراب اور دیسی جوتی ہوتی ہے۔ عمر قریباً چھیاسٹھ سال کی ہے‘‘۔

’’مرزا صاحب کے مریدوں میں میں نے بڑی عقیدت دیکھی اور انہیں بہت خوش اعتقاد پایا۔ میری موجودگی میں بہت سے معزز مہمان آئے ہوئے تھے جن کی ارادت بڑے پایہ کی تھی۔ اور بے حد عقیدت مند تھے‘‘۔

’’مرزا صاحب کی وسیع الاخلاقی کا یہ ادنیٰ نمونہ ہے کہ اثنائے قیام کی متواتر نوازشوں کے خاتمہ پر بایں الفاظ مجھے مشکور ہونے کا موقعہ دیا’’ ہم آپ کو اس وعدہ پر اجازت دیتے ہیں کہ آپ پھر آئیں اور کم از کم دو ہفتہ قیام کریں‘‘۔ (اس وقت کا تبسم ناک چہرہ اب تک میری آنکھوں میں ہے)۔

’’میں جس شوق کو لے کر گیا تھا ساتھ لایا۔ اور شاید وہی شوق مجھے دوبارہ لے جائے واقعی قادیان نے اس جملہ کو اچھی طرح سمجھا ہے حسن خُلقک وَلَو مَعَ الکُفار ...... میں نے اور کیا دیکھا بہت کچھ دیکھا مگر قلم بند کرنے کا موقع نہیں سٹیشن جانے کا وقت سر پر آ چلا ہے پھر کبھی بتاؤں گا کہ میں نے کیا دیکھا۔ راقم آہ دہلوی‘‘۔ (الحکم ۲۴ ؍ مئی ۱۹۰۵ء صفحہ ۱۰)

افسوس ہے کہ مولانا ابو نصر آہ کو موت نے فرصت نہ دی ورنہ وہ دوبارہ قادیان میں آتے اور ضرور آتے اور جو وعدہ کر کے یہاں سے گئے تھے اسے پورا کرتے۔ سلسلہ کے لئے ایک محبت اور اخلاص کی آگ ان کے سینہ میں سلگ چکی تھی اور ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کے اس اخلاص کا نیک بدلہ انہیں دے گا۔ مولانا ابو نصر کی یہ تحریر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شمائل و اخلاق کا ایک مختصر سا مرقع ہے۔

خاکسار مؤلف کا اپنا واقعہ

میں پہلی مرتبہ ۱۸۹۳ء کے مارچ مہینے کے اواخر میں قادیان آیا۔ راستہ سے ناواقف تھا اور بٹالہ گاڑی شام کے قریب آتی تھی۔ دن تھوڑا سا باقی تھا۔ میرے پاس کچھ سامان سبزی وغیرہ قسم کا تھا۔ مجھے یکہ کوئی نہ ملا۔ میں نے ایک مزدور جو بٹالہ میں جوتوں کی مرمت کیا کرتا تھا ساتھ لیا۔ وہ بڈھا آدمی تھا اور اس کا گھر دوانی وال تھا۔ راستہ میں جب وہ اپنے گاؤں کے قریب پہنچا تو اس نے کہا کہ میں گھر سے ہو آؤں اور گھر والوں کو اطلاع دے آؤں کہ قادیان جاتا ہوں۔ اسے گھر میں اچھی خاصی دیر ہو گئی اور آفتاب غروب ہو گیا۔ میں نے بٹالہ میں راستہ کی کچھ تفصیلات معلوم کی تھیں کہ نہر آئے گی اس سے آگے ایک چھوٹی سے پُلی آئے گی وہاں سے قادیان کو راستہ جاتا ہے۔ رات اندھیری تھی ہم دونوں چلے آئے مگر وہ بھی راستہ سے پورا واقف نہ تھا۔ نہر پہنچے تو چونکہ نہر بند تھی ہمیں کچھ معلوم نہ ہوا کہ نہر آ گئی ہے اور اس لئے آگے جو نشان بتایا گیا تھا اس کا بھی پتہ نہ لگا۔ اور ہم ہرچووال کی نہر پر جا پہنچے مگر سفر کی طوالت وقت کے زیادہ گزرنے سے معلوم ہوئی تھی گو شوق کی وجہ سے کچھ تکان نہ تھی۔ میں نے اس بڈھے مزدور سے کہا کہ تم کہتے تھے میں راستہ سے واقف ہوں اور ہم کو بٹالہ سے چلے ہوئے بہت عرصہ ہو گیا ابھی تک وہ موڑ نہیں آتا یہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا کچھ پتہ نہیں۔ الغرض جب ہم ہرچووال پہنچے تو جا کر معلوم ہوا کہ ہم راستہ بھول گئے ہیں۔ اتفاقاً وہاں ایک آدمی مل گیا اور اس نے ہم کو ہماری غلطی پر آگاہ کیا۔ اور ہم واپس ہوئے اور لیل کلاں کے قریب آ کر پھر بھولے مگر اس وقت دو تین آدمی لیل سے باہر نکل کر باہر جا رہے تھے کہ انہوں نے ہم کو سیدھے راستہ پر ڈال دیا۔

اس پریشانی میں اس رفیق سفر پر بہت غصہ آتا تھا مگر اس کا نتیجہ کچھ نہ تھا۔ آخر اس راستہ پر جو لیل سے قادیان کو آتا ہے ہم قادیان کے باغ کے قریب پہنچے۔ باغ کے پاس آئے تو آگے پانی تھا۔ باغ کی طرف سے ہم نے آواز دی تو ایک شخص نے کہا چلے آؤ پانی پایاب ہے۔ غرض وہاں سے گزر کر مہمان خانہ پہنچے۔ رمضان کا آغاز تھا اور لوگ اس وقت اٹھ رہے تھے مہمان خانہ کی کائنات صرف دو کوٹھڑیاں ایک دالان تھا جو مطب والا ہے۔ باقی موجودہ مہمان خانہ تک پلیٹ فارم ہی تھا۔ حضرت حافظ حامد علی مرحوم کو خبر ہوئی کہ کوئی مہمان آیا ہے۔ اس وقت مہمان خانہ کے مہتمم کہو، داروغہ کہو، خادم سمجھو سب کچھ وہی تھے۔ میرے وہ واقف و آشنا تھے۔ جب وہ آ کر ملے تو محبت اور پیار سے انہوں نے مصافحہ اور معانقہ کیا اور حیرت سے پوچھا کہ اس وقت کہاں سے۔ میں نے جب واقعات بیان کئے تو بیچارے بہت حیران ہوئے۔ میں نے وہ سبزی وغیرہ ان کے حوالے کی وہ لے کر اسی وقت اندر گئے۔ اور حضرت صاحب کو اطلاع کی۔ میرا خیال ہے کہ تین بجے کے قریب قریب وقت تھا۔ حضرت صاحب نے اسی وقت مجھے گول کمرہ میں بلا لیا۔ اور وہاں پہنچتے تک پُر تکلف کھانا بھی موجود تھا۔ میں اس ساعت کو اپنی عمر میں کبھی نہیں بھول سکتا کہ کس محبت اور شفقت سے بار بار فرماتے تھے آپ کو بڑی تکلیف ہوئی۔

میں عرض کرتا رہا نہیں حضور تکلیف تو کوئی نہیں ہوئی معلوم بھی نہیں ہوا۔ مگر آپ بار بار فرماتے ہیں راستہ بھول جانے کی پریشانی بہت ہوتی ہے۔ اور کھانا کھانے کے لئے تاکید فرمانے لگے۔ مجھے شرم آتی تھی کہ آپ کے حضور کس طرح کھاؤں میں نے تامّل کیا مگر آپ نے خود اپنے دست مبارک سے کھانا آگے کر کے فرمایا کہ کھاؤ، بہت بھوک لگی ہوگی۔ سفر میں تکان ہو جاتا ہے۔ آخر میں نے کھانا شروع کیا تو پھر فرمانے لگے کہ خوب سیر ہو کر کھاؤ شرم نہ کرو۔ سفر کر کے آئے ہو۔

حضرت حامد علی صاحب بھی پاس ہی بیٹھے تھے اور آپ بھی تشریف فرما تھے میں نے عرض کیا کہ حضور آپ آرام فرمائیں میں اب کھالوں گا۔ حضرت اقدس نے اس وقت محسوس کیا کہ میں آپ کی موجودگی میں تکلف نہ کروں۔ فرمایا ''اچھا حامد علی تم اچھی طرح سے کھلاؤ اور یہاں ہی ان کے لئے بستر بچھا دو تاکہ یہ آرام کرلیں اور اچھی طرح سے سو جائیں''۔ آپ تشریف لے گئے مگر تھوڑی دیر بعد ایک بستر لئے ہوئے پھر تشریف لے آئے۔ میری حالت اس وقت عجیب تھی ایک طرف تو میں آپ کے اس سلوک پر نادم ہو رہا تھا کہ ایک واجب الاحترام ہستی اپنے ادنیٰ غلام کے لئے کس مدارات میں مصروف ہے۔ میں نے عذر کیا کہ حضور کیوں تکلیف فرمائی۔ فرمایا ''نہیں نہیں تکلیف کس بات کی آپ کو آج بہت تکلیف ہوئی ہے اچھی طرح آرام کرو''۔

غرض آپ بستر ارکھ کر تشریف لے گئے اور حافظ حامد علی صاحب میرے پاس بیٹھے رہے۔ انہوں نے محبت سے کھانا کھلایا اور بستر ابچھا دیا۔ میں لیٹ گیا تو مرحوم حافظ حامد علی نے میری چاپی کرنی چاہی تو میں نے بہت ہی عذر کیا تو وہ رکے مگر مجھے کہا کہ حضرت صاحب نے مجھے فرمایا تھا کہ ذرا داب دینا بہت تھکے ہونگے۔ ان کی یہ بات سنتے ہی میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل گئے کہ اللہ! اللہ! کس شفقت اور محبت کے جذبات اس دل میں ہیں۔ اپنے خادموں کے لئے وہ کس درد کا احساس رکھتا ہے۔ فجر کی نماز کے بعد جب آپ تشریف فرما ہوئے تو پھر دریافت فرمایا کہ نیند اچھی طرح آگئی تھی۔ اب تکان تو نہیں۔ غرض اس طرح پر اظہار شفقت فرمایا کہ مجھے مدت العمر یہ لطف اور سرور نہ بھولے گا۔ میں چند روز تک رہا اور ہر روز آپ کے لطف و کرم کو زیادہ محسوس کرتا تھا۔ جانے کے لئے اجازت چاہی تو فرمایا نوکری پر تو جانا نہیں اور دو چار روز رہو میں پھر ٹھہر گیا۔ آخر آپ کی محبت و کرم فرمائی کے جذبات کا ایک خاص اثر لے کر گیا اور وہ کشش تھی کہ مجھے ملازمت چھڑا کر یہاں لائی اور پھر خدا تعالیٰ نے اپنا فضل کیا کہ مجھے اس آستانہ پر دھونی رما کر بیٹھ جانے کی توفیق عطا فرمائی۔ والحمد للہ علی ذالک۔

میں نے مختصراً اس واقعہ کو صاف اور سادہ الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ میں اس وقت ایک غریب طالب علم تھا اور کسی حیثیت سے کوئی معروف درجہ نہ رکھتا تھا۔ مگر حضرت اقدس کی مہمان نوازی اور وسعت اخلاق سب کے لئے یکساں تھی۔ وہ ہر آنے والے کو سمجھتے تھے کہ یہ خدا کے مہمان ہیں۔ ان کی آسائش، تالیف قلوب اور ہمدردی میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھتے تھے آپ کی پیاری پیاری باتوں اور آرام دہ برتاؤ کو دیکھ کر گھر بھی بھول جاتا تھا۔ ہر ملاقات میں پہلے سے زیادہ محبت اور شفقت کا اظہار پایا جاتا تھا۔ اور مخفی طور پر خادم مہمان خانہ کو ہدایت ہوتی تھی کہ مہمانوں کے آرام کے لئے ہر طرح خیال رکھو۔ اور براہ راست انتظام اپنے ہاتھ میں اس لئے رکھا تھا کہ مہمانوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔

میاں رحمت اللہ باغانوالہ کا واقعہ

میاں رحمت اللہ باغانوالہ سیکرٹری انجمن احمدیہ بنگہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مخلص خادموں میں سے ہیں اور بنگہ کی جماعت میں ان کے بعد خدا تعالیٰ نے بڑی برکت اور ترقی بخشی۔ ۱۹۰۵ء میں جبکہ حضرت اقدس باغ میں تشریف فرما تھے۔ میاں رحمت اللہ قادیان آئے ہوئے تھے اور وہ مہمان خانہ میں حسب معمول ٹھہرے ہوئے تھے۔ میاں نجم الدین مرحوم لنگر خانہ کے داروغہ اور مہتمم تھے۔ ان کی طبیعت کسی قدر اکھڑ سی واقع ہوئی تھی۔ اگرچہ اخلاص میں وہ کسی سے کم نہ تھے۔ اور سلسلہ کی خدمت اور مہمانوں کے آرام کا اپنی طاقت اور سمجھ کے موافق بہت خیال رکھتے تھے۔ اور مجتہدانہ طبیعت پائی تھی۔ میاں رحمت اللہ صاحب نے کچھ تکلف سے کام لیا۔ روٹی کچی ملی اور وہ بیمار ہو گئے۔ مجھ کو خبر ہوئی میں نے ان سے وجہ دریافت کی تو بتایا کہ روٹی کچی تھی۔ اور تنور کی روٹی عام طور پر کھانے کی عادت نہیں مجھ ان کی تکلیف کا احساس ہوا۔ میری طبیعت بے دھڑک سی واقعہ ہوئی ہے۔ میں سیدھا حضرت صاحب کے پاس گیا۔ اطلاع ہونے پر آپ فوراً تشریف لے آئے۔ اور باغ کی اس روش پر جو مکان کے سامنے ہے ٹہلنے لگے۔ اور دریافت فرمایا کہ میاں یعقوب علی کیا بات ہے؟ میں نے واقعہ عرض کر کے کہا کہ حضور! یا تو مہمانوں کو سب لوگوں پر تقسیم کر دیا کرو اور یا پھر انتظام ہو کہ تکلیف نہ ہو۔ میں آج سمجھتا ہوں اور اس احساس سے میرا دل بیٹھنے لگتا ہے۔ کہ میں نے خدا تعالیٰ کے مامور و مرسل کے حضور اس رنگ میں کیوں عرض کی؟ مگر اس رحم و کرم کے پیکر نے اس کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں کی کہ میں نے کس رنگ میں بات کی ہے فرمایا'' آپ نے بہت ہی اچھا کیا کہ مجھ کو خبر دی میں ابھی گھر سے چپاتیاں پکوانے کا انتظام کر دوں گا۔ اور میاں نجم الدین کو بھی تاکید کرتا ہوں اسے بلا کر میرے پاس لاؤ۔ یہ بہت اچھی بات ہے کہ اگر کسی مہمان کو تکلیف ہو تو فوراً مجھے بتاؤ۔ لنگر خانہ والے نہیں بتاتے اور ان کو پتہ بھی نہیں لگ سکتا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ میاں رحمت اللہ کہاں ہیں؟ وہ زیادہ بیمار تو نہیں ہو گئے اگر وہ آسکتے ہیں تو ان کو بھی یہاں لے آؤ۔

میں نے واپس آکر میاں رحمت اللہ صاحب سے ذکر کیا۔ وہ بیچارے بہت محجوب ہوئے کہ آپ نے کیوں حضرت کو تکلیف دی۔ میری طبیعت اب اچھی ہے۔ خیر میں ان کو حضرت کے پاس لے گیا اور میاں نجم الدین صاحب کی بھی حاضری ہوئی۔ حضرت نے میاں رحمت اللہ صاحب سے بہت عذر کیا کہ بڑی غلطی ہوگئی۔ آپ کو تکلف نہیں کرنا چاہئے تھے۔ میں باغ میں تھا ورنہ تکلیف نہ ہوتی۔ اب انشاء اللہ انتظام ہو گیا ہے۔ جس قدر حضرت عذر اور دلجوئی کریں میں اور میاں رحمت اللہ اندر ہی اندر نادم ہوں اور پھر جتنے دن وہ رہے حضرت نے روزانہ مجھ سے دریافت فرمایا کہ تکلیف تو نہیں۔ میاں نجم الدین صاحب کو بھی بہت تاکید اور وعظ فرمایا کہ یہ خدا تعالیٰ کے مہمان ہیں یہ خدا کے لئے آتے ہیں اور گھروں کا آرام چھوڑ کر آتے ہیں۔ اگر ان کی صحت ہی درست نہ رہے تو یہ اس غرض کو کیونکر حاصل کرسکیں گے جس کے لئے یہاں آتے ہیں۔ بہت کچھ ان کو سمجھایا اور وہ اپنے طریق کے موافق عذر کرتے رہے۔

میرا مطلب اس سے یہ دکھانا ہے کہ اگر کسی مہمان کو ذرا سی بھی تکلیف ہو تو آپ فوراً بے قرار ہو جاتے تھے اور جب تک اس کو اطمینان اور آرام کی حالت میں نہ دیکھ لیں آپ صبر نہ کرتے تھے۔

مہمان نوازی پر اجمالی نظر

آپ کی مہمان نوازی کے واقعات اور مثالیں اس کثرت سے ہیں کہ اگر ان سب کو جمع کیا جاوے تو بجائے خود ایک مستقل کتاب ہو سکتی ہے اللہ تعالیٰ جس کو توفیق دے گا وہ اس خصوص میں ایسا ذخیرہ جمع کر دیگا۔

آپ کی عام خصوصیات مہمان نوازی میں یہ تھیں کہ:

(۱)......آپ مہمان کے آنے سے بہت خوش ہوتے تھے اور آپ کی انتہائی کوشش ہوتی تھی کہ مہمان کو ہر ممکن آرام پہنچے۔ اور آپ نے خدام لنگر خانہ کو ہدایت کی ہوئی تھی کہ فوراً آپ کو اطلاع دی جائے۔ اور یہ بھی ہدایت تھی کہ جس ملک اور مذاق کا مہمان ہو اس کے کھانے پینے کے لئے اسی قسم کا کھانا تیار کیا جاوے۔ مثلاً اگر کوئی مدراسی، بنگالی یا کشمیری آ گیا ہے تو ان کے لئے چاول تیار ہوتے تھے۔ ایسے موقعہ پر فرمایا کرتے تھے کہ اگر ان کی صحت ہی درست نہ رہی تو وہ دین کیا سیکھیں گے۔

ایک مرتبہ سید محمد رضوی صاحب وکیل ہائی کورٹ حیدرآباد دکن حیدرآباد سے ایک جماعت لے کر آئے۔ سید صاحب ان ایام میں ایک خاص جوش اور اخلاص رکھتے تھے۔ حیدرآبادی لوگ عموماً ترش سالن کھانے کے عادی ہوتے ہیں۔ آپ نے خاص طور پر حکم دیا کہ ان کے لئے مختلف قسم کے کھٹے سالن تیار ہوا کریں تا کہ ان کو تکلیف نہ ہو۔ ایسا ہی سیٹھ اسماعیل آدم بمبئی سے آئے تو ان کے لئے بلا ناغہ دونوں وقت پلاؤ اور مختلف قسم کے چاول تیار ہوتے تھے۔ کیونکہ وہ عموماً چاول کھانے کے عادی تھے۔ مخدومی حضرت سیٹھ عبدالرحمان صاحب مدراسی رضی اللہ عنہ بھی ان ایام میں قادیان میں ہی تھے۔ غرض آپ اس امر کا التزام کیا کرتے تھے کہ مہمانوں کو کسی قسم کی تکلیف کھانے پینے میں نہ ہو۔

(۲)...... یہ امر بھی آپ کی مہمان نوازی کے عام اصولوں میں داخل تھا کہ جس وقت کوئی مہمان آتا تھا اسی وقت اس کے لئے موسم کے لحاظ سے چاء لسی یا شربت مہیا کرتے۔ اور اس کے بعد کھانے کا فوری انتظام ہوتا تھا اور اگر جلد تیار نہ ہو سکتا ہو یا موجود نہ ہو تو دودھ ڈبل روٹی یا اور نرم غذا فوا کہات غرض کچھ نہ کچھ فوراً موجود کیا جاتا۔ اور اس کے لئے کوئی انتظار آپ روا نہ رکھتے۔ بعض اوقات دریافت فرما لیتے اور بعض اوقات کھانا ہی موجود کرتے۔ ایسے واقعات ایک دو نہیں سینکڑوں سے گزر کر ہزاروں تک ان کا نمبر پہنچتا ہے۔

جناب قاضی امیر حسین صاحب بھیروی جو عرصہ دراز سے ہجرت کر کے قادیان بیٹھے ہوئے تھے ایک زمانہ میں امرتسر کے مدرسۃ المسلمین میں ملازم تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں امرتسر سے قادیان میں آیا اور حضرت صاحب کو اطلاع دی۔ آپ فوراً تشریف لائے اور شیخ حامد علی صاحب کو بلا کر حکم دیا کہ قاضی صاحب کے لئے جلد چاء لاؤ۔ یہ ایک واقعہ نہیں علی العموم ایسا ہی ہوتا تھا۔

(۳)......آپ کی مہمان نوازی کی تیسری خصوصیت یہ تھی کہ آپ مہمان کے جلدی واپس جانے سے خوش نہ ہوتے تھے بلکہ آپ کی خواہش یہ ہوتی تھی کہ وہ زیادہ دیر تک رہے۔ تا کہ پورے طور پر اس کے سفر کا مقصد پورا ہو اور آپ کی دعوت کی تبلیغ ہو سکے۔ اس لئے جلد اجازت نہ دیتے تھے۔ بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ ابھی کچھ دن اور رہو آپ کے جو پرانے خدام ہوتے تھے ان کے ساتھ خصوصیت سے یہی برتاؤ ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی یہاں آئے وہ ان دنوں میں مجسٹریٹی کے ریڈر تھے وہ ایک دو دن کے لئے یونہی موقع نکال کر آئے تھے مگر جب اجازت مانگیں تو یہی ہوتا رہا کہ چلے جانا ابھی کون سی جلدی ہے اور اس طرح پر ان کو ایک لمبا عرصہ یہاں ہی رکھا۔

اصل بات یہ ہے کہ آپ دل سے یہی چاہتے تھے کہ احباب زیادہ دیر تک ٹھہریں۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ہمیشہ حضرت کی اس سیرت سے کہ بہت چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے پاس رہیں۔ یہ نتیجہ نکالا کرتا ہوں کہ یہ آپ کی صداقت کی بڑی بھاری دلیل ہے اور آپ کی روح کو کامل شعور ہے کہ آپ منجانب اللہ اور راست باز ہیں۔ جھوٹا آدمی ایک دن میں گھبرا جاتا ہے اور وہ دوسروں کو دھکے دے کر نکالتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اس کا پول کھل جائے۔

(۴)......آپ کی مہمان نوازی کی چوتھی خصوصیت یہ تھی کہ مہمان کے ساتھ تکلف کا برتاؤ نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ آپ اس سے بالکل بے تکلفانہ برتاؤ کرتے تھے۔ اور وہ یقین کرتا تھا کہ وہ اپنے عزیزوں اور غمگسار دوستوں میں ہے۔ اور اس طرح پر وہ تکلف کی تکلیف سے آزاد ہو جاتا تھا۔ حضرت خلیفہ نورالدین صاحب آف جموں (جو حضرت اقدس کے پرانے مخلصین میں سے ھیں اور جنھوں نے بعض اوقات سلسلہ کی خاص خدمات کی ھیں جیسے قبر مسیح کی تحقیقات کے لئے انھوں نے کشمیر کا سفر کیا اور اپنے خرچ پر ایک عرصہ تک وھاں رہ کر تمام حالات کو دریافت کیا)۔ بیان کرتے ہیں کہ جن ایام میں حضرت مولانا نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ نواب صاحب کی درخواست پر مالیر کوٹلہ تشریف لے گئے تھے میں قادیان آیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا معمول تھا کہ مجھے دونوں وقت کھانے کے لئے اوپر بلا لیتے اور میں اور آپ دونوں ہی مل کر کھانا کھاتے۔ اور بعض اوقات گھنٹہ گھنٹہ ڈیڑھ ڈیڑھ گھنٹہ بیٹھے رہتے اور انوسینٹ ریکری ایشن (تفریح بے ضرر) بھی ہوتی رہتی۔ ایک دن ایک چاء دانی چائے سے بھری ہوئی اٹھا لائے۔ اور فرمایا کہ خلیفہ صاحب یہ تم نے پینی ہے یا میں نے۔ خلیفہ صاحب کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ حضور اس کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا ہمارے گھر والوں پر حرام ہے اس سے اور بھی تعجب خلیفہ صاحب کو ہوا۔ ان کو متعجب پایا تو فرمایا یہ حرام طبی ہے شرعی نہیں۔ ان کی طبیعت اچھی نہیں اور چائے ان کے لئے مضر ہے۔ غرض یہ بظاہر ایک لطیفہ سمجھا جا سکتا ہے مگر آپ کی غرض اس واقعہ سے یہ بھی تھی کہ خلیفہ صاحب خوب سیر ہو کر پئیں کیونکہ گھر میں تو کسی نے چائے پینی نہ تھی اور حضرت کو یہ خیال تھا کہ خلیفہ صاحب بوجہ کشمیر میں رہنے کے چائے کے عادی سمجھے جا سکتے ہیں اور چائے بہت پیتے ہونگے۔ اس لئے آپ ان کی خاطرداری کے لئے بہت سی چائے بنوا کر لائے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ تم نے اور میں نے ہی پینی ہے تا کہ ایک قسم کی مساوات کے خیال سے ان کو تکلف نہ رہے غرض مہمانوں میں کھانے پینے اور اپنی ضروریات کے متعلق بے تکلفی پیدا کر دیتے تھے تا کہ وہ اپنا گھر سمجھ کر آزادی اور آرام سے کھا پی لیں۔

اسی بے تکلفی پیدا کرنے کے لئے کبھی کبھی شہتوت بیدانہ کے ایام میں باغ میں جا کر ٹوکرے بھروا کر منگواتے اور مہمانوں کو ساتھ لے کر خود بھی انہی ٹوکروں میں سے سب کے ساتھ کھاتے۔ آہ! وہ ایام کیا مبارک اور پیارے تھے۔ ان کی یاد آتی ہے تو تڑپا جاتی ہے۔

دل میں اک درد اٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے
بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانئے کیا یاد آیا

سفر میں بھی جب کبھی ہوتے تو اپنے مہمانوں کا خاص خیال رکھتے۔ جن ایام میں گورداسپور مقدمہ کی پیروی کے لئے گئے ہوئے تھے احباب کو معلوم ہے کہ کس طرح پر مہمانوں کی خاطر مدارات کا خیال رکھا جاتا تھا۔ آموں کے موسم میں آموں کے ٹوکرے منگوا کر اپنے خدام کے سامنے رکھتے۔

ایک مرتبہ خواجہ صاحب کے لئے آموں کا ایک بار خر خریدا گیا۔ احباب مذاق کرتے تھے کہ خواجہ صاحب آموں کا گدھا کھا گئے۔ خواجہ صاحب کو کھانے پینے کا بہت شوق تھا اور حضرت اقدس ان

کے احساسات کا خیال رکھتے تھے اس لئے ان کے لئے خاص طور پر اہتمام ہوتا۔ اور خود خواجہ صاحب بھی شب دیگ وغیرہ پکاتے رہتے۔ میرا مطلب ان واقعات کے بیان کرنے سے یہ ہے کہ اپنے مہمانوں اور خادموں کے ساتھ بے تکلفی کا برتاؤ کیا کرتے تھے۔ ایسا ہی حضرت مولوی شیر علی صاحب کی روایت ہے حضرت صاحبزادہ صاحب نے سیرت المہدی میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ مولوی صاحب اور چند اور آدمی جن میں خواجہ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب بھی تھے حضرت اقدس کی ملاقات کو اندر مکان میں حاضر ہوئے۔ آپ نے خربوزے کھانے کو دئے۔ اور مولوی صاحب کو ایک موٹا سا خربوزہ دیا اور فرمایا کہ اسے کھا کر دیکھیں کیسا ہے؟ پھر آپ ہی مسکرا کر فرمایا کہ موٹا آدمی منافق ہوتا ہے پھیکا ہی ہوگا۔ چنانچہ وہ پھیکا ہی نکلا۔ یہ لطیفہ بھی بے تکلفی کی ایک شان اپنے اندر رکھتا ہے۔

(۵)......آپؑ کی مہمان نوازی کی ایک یہ بھی خصوصیت تھی کہ آپ مہمانوں کے آرام کے لئے نہ صرف ہر قسم کی قربانی کرتے تھے بلکہ ہر ممکن خدمت سے کبھی مضائقہ نہ فرماتے تھے۔

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک واقعہ بیان کیا ہے اور اسے شائع کیا ہے کہ چار برس (۱۸۹۶ء کا غالباً واقعہ ہے کیونکہ ۱۹۰۰ء میں آپ نے یہ بیان شائع کیا تھا۔ عرفانی) کا عرصہ گزرتا ہے کہ آپ کے گھر کے لوگ لودہانہ گئے ہوئے تھے۔ جون کا مہینہ تھا مکان نیا نیا بنا تھا۔ میں دوپہر کے وقت وہاں چارپائی بچھی ہوئی تھی اس پر لیٹ گیا۔ حضرت ٹہل رہے تھے۔ میں ایک دفعہ جاگا تو آپ فرش پر میری چارپائی کے نیچے لیٹے ہوئے تھے۔ میں ادب سے گھبرا کر اٹھ بیٹھا آپ نے بڑی محبت سے پوچھا۔ آپ کیوں اٹھے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ نیچے لیٹے ہوئے ہیں میں اوپر کیسے سو رہوں۔ مسکرا کر فرمایا: ''میں تو آپ کا پہرہ دے رہا تھا۔ لڑکے شور کرتے تھے انہیں روکتا تھا کہ آپ کی نیند میں خلل نہ آوے''۔ ("سیرت مسیح موعود" مصنفہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب صفحہ ۴۱)

یہ محبت یہ دلسوزی اور خیر خواہی ماں باپ میں بھی کم پائی جاتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ ان لوگوں میں ہی ودیعت کی جاتی ہے جو خدا تعالیٰ کی مخلوق کی ہدایت کے لئے مامور ہو کر آتے ہیں۔ اور اگر یہ ہمدردی مخلوقِ الٰہی کے لئے ان کے دل میں نہ ہو تو وہ ان مشکلات کے پہاڑوں اور مصائب کے دریاؤں سے نہ گزر سکیں جو تبلیغ حق کی راہ میں آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم ﷺ کی اس انتہائی دلسوزی اور غمخواری کا نقشہ قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے: لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَفْسَکَ اَلاَّ یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ۔ یعنی اس ہم و غم میں کہ لوگ کیوں خدا تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے اور صراط مستقیم کو اختیار کر کے اس مقصد زندگی کو پورا نہیں کرتے جس کے لئے ان کو پیدا کیا گیا ہے تو اپنے آپ کو ہلاک کر دے گا۔ یہ جوش مخلوق کی ہدایت کے لئے اور ان کی ہمدردی کے لئے خاصۂ انبیاء علیہم السلام ہے۔

میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مہمان نوازی کی خصوصیات بیان کر رہا تھا اور اس میں حضرت مولوی عبدالکریم رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ کس طرح پر آپ ان کے آرام کے لئے ایک پہرہ دار کی طرح کام کرتے تھے۔

(۶)......چھٹی خصوصیت آپ کی مہمان نوازی کی یہ تھی کہ حفظ مراتب کی ہدایت کے ساتھ عام سلوک اور تعلقات میں آپ مساوات کے برتاؤ کو کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔ اس بات کا بے شک لحاظ ہوتا تھا کہ مہمانوں کو ان کے مقام اور مرتبہ کے لحاظ سے اتارا جاتا اور یہ حضرت نبی کریم ﷺ کے ارشاد کی تعمیل تھی۔ مگر خبرگیری اور مہمان نوازی کے عام معاملات میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا تھا۔ ۱۹۰۵ء کے سالانہ جلسہ پر کھانے وغیرہ کا انتظام میرے سپرد تھا اور میری مدد کے لئے اور چند دوست ساتھ تھے ہم نے مولوی غلام حسین صاحب پشاوری اور ان کے ہمراہیوں کے لئے خاص طور پر چند کھانوں کا انتظام کرنا چاہا۔ حضرت اقدس تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کیفیت طلب فرماتے تھے کہ کھانے کا کیا انتظام ہے، کس قدر تیار ہو گیا، کس قدر باقی ہے، کیا پکایا گیا ہے اس سلسلہ میں یہ بھی میں نے عرض کیا کہ ان کے لئے خاص طور پر انتظام کر رہے ہیں۔ فرمایا کہ:

''میرے لئے سب برابر ہیں اس موقع پر امتیاز اور تفریق نہیں ہو سکتی۔ سب کے لئے ایک ہی قسم کا کھانا ہونا چاہئے۔ یہاں کوئی چھوٹا بڑا نہیں۔ مولوی صاحب کے لئے الگ انتظام ان کی لڑکی کی طرف سے ہو سکتا ہے اور وہ اس وقت میرے مہمان ہیں اور سب مہمانوں کے ساتھ ہیں اس لئے سب کے لئے ایک ہی قسم کا کھانا تیار کیا جائے خبردار کوئی امتیاز کھانے میں نہ ہو''۔

اور بھی بہت کچھ فرمایا اور غربائے جماعت کی خصوصیت سے تعریف کی اور فرمایا کہ:

''جیسے ریل میں سب سے بڑی آمدنی تھرڈ کلاس والوں کی طرف سے ہوتی ہے اس سلسلہ کے اغراض و مقاصد کے پورا کرنے میں سب سے بڑا حصہ غرباء کے اموال کا ہے اور تقویٰ طہارت میں بھی یہی جماعت ترقی کر رہی ہے''۔ غرض اس طرح نصیحت کی فَطُوْبٰی لِلْغُرَبَاء۔

آپ ہرگز عام برتاؤ اور سلوک میں کوئی امتیاز نہیں رکھتے تھے گو منازل و مراتب مناسبہ کو بھی ہاتھ سے نہ دیتے تھے اور یہ حضرت نبی کریم ﷺ کے ارشاد کی تعمیل تھی۔

(۷)......ساتویں خصوصیت یہ تھی کہ آپ چاہتے تھے کہ ہمارے دوست خصوصاً کثرت سے آئیں اور بہت دیر تک ٹھہریں اگرچہ زیادہ دیر تک ٹھہرنا وہ سب کا پسند کرتے تھے۔ غیروں کے لئے اس لئے کہ حق کھل جائے اور اپنوں کے لئے اس لئے کہ ترقی کریں۔ کثرت سے آنے جانے والوں کو ہمیشہ پسند فرمایا کرتے تھے۔ اس کی تہ میں جو غرض اور مقصود تھا وہ یہی تھا کہ تا وہ اس مقصود کو حاصل کر لیں جس کے لئے خدا تعالیٰ نے مجھے مبعوث کیا ہے۔ حضرت مولانا عبدالکریم رضی اللہ عنہ نے آپ کی اس خصوصیت کے متعلق لکھا ہے کہ:

''حضرت کبھی پسند نہیں کرتے تھے کہ خدام ان کے پاس سے جائیں۔ آنے پر بڑے خوش ہوتے ہیں اور جانے پر کرہ سے رخصت دیتے ہیں اور کثرت سے آنے جانے والوں کو بہت ہی پسند فرماتے ہیں۔ اب کی دفعہ دسمبر میں (۱۸۹۹ء کا واقعہ ہے) بہت کم لوگ آئے اس پر بہت اظہار افسوس کیا اور فرمایا ہنوز لوگ ہمارے اغراض سے واقف نہیں کہ ہم کیا چاہتے ہیں کہ وہ کیا بن جائیں۔ وہ غرض جو ہم چاہتے ہیں اور جس کے لئے ہمیں خدا تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے وہ پوری نہیں ہو سکتی جب تک لوگ یہاں بار بار نہ آئیں اور آنے سے ذرا بھی نہ اکتائیں اور فرمایا جو شخص ایسا خیال کرتا ہے کہ آنے میں اس پر بوجھ پڑتا ہے یا ایسا سمجھتا ہے کہ یہاں ٹھہرنے میں ہم پر بوجھ ہوگا اسے ڈرنا چاہئے کہ شرک میں مبتلا ہے۔ ہمارا تو یہ اعتقاد ہے کہ اگر سارا جہان ہمارا عیال ہو جاوے تو ہمارے مہمات کا متکفل خدا ہے، ہم پر ذرا بھی بوجھ نہیں۔ ہمیں تو دوستوں کے وجود سے بڑی راحت پہنچتی ہے۔ یہ وسوسہ ہے جسے دلوں سے نکال دینا چاہئے۔ میں نے بعض کو یہ کہتے سنا ہے کہ ہم یہاں بیٹھ کر کیوں حضرت کو تکلیف دیں۔ ہم تو نکمے ہیں یونہی بیٹھ کر روٹی کیوں توڑا کریں۔ وہ یاد رکھیں یہ شیطانی وسوسہ ہے جو شیطان نے ان کے دلوں میں ڈالا ہے کہ ان کے پیر یہاں جمنے نہ پائیں۔ ایک روز حکیم فضل الدین صاحب (رضی اللہ عنہ) نے عرض کیا کہ حضور میں یہاں نکما بیٹھا کیا کرتا ہوں مجھے حکم ہو تو بھیرہ چلا جاؤں وہاں درس قرآن ہی کروں گا۔ یہاں مجھے بڑی شرم آتی ہے کہ میں حضور کے کسی کام نہیں آتا اور شاید بیکار بیٹھنے میں کوئی معصیت

ہو۔فرمایا آپ کا یہاں بیکار بیٹھنا ہی جہاد ہے اور یہ بیکاری بڑا کام ہے۔غرض بڑے دردناک اور افسوس بھرے لفظوں میں نہ آنے والوں کی شکایت کی اور فرمایا یہ عذر کرنے والے وہی لوگ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حضور میں عذر کیا تھا اِن بُیُوتَنَا عَورَةٌ اور خدا تعالیٰ نے ان کی تکذیب کر دی ''اِنْ یُرِیدُونَ اِلاَّ فِرَارًا''۔(سیرت مسیح موعود مصنفہ حضرت مولانا عبدالکریم ؓ صفحہ ۴۹، ۵۰)

غرض آپ کو اپنے خدام کے متعلق خصوصیت سے یہ خواہش رہتی تھی کہ آپ بہت بار بار آئیں اور کثرت سے آئیں اور ان کے قیام کی وجہ سے جو کچھ بھی اخراجات ہوں ان کو برداشت کرنے میں خوشی محسوس کرتے تھے۔

(۸)......آٹھویں خصوصیت یہ تھی کہ مہمان نوازی کے لئے دوست دشمن کا امتیاز نہ تھا بلکہ بریں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست کا مضمون آپ کے دستر خوان پر نظر آتا تھا۔جیسا کہ میں نے آپ کے اخلاق عفو و درگزر میں دکھایا ہے کہ یہ خلق خادموں اور دوستوں تک محدود نہ تھا اسی طرح مہمان نوازی بھی وسیع اور عام تھی ۔کسی خاص قوم اور فرقہ تک محدود نہ تھی۔بلکہ ہندو، مخالف الرائے مسلمان، عیسائی یا کسے باشد جو بھی آجاتا اس کے ساتھ اسی محبت سے پیش آتے۔چنانچہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے سیرت المہدی میں بروایت مولوی عبداللہ صاحب سنوری لکھا ہے کہ:

''حضرت مسیح موعود بیت الفکر میں (مسجد مبارک کے ساتھ والا حجرہ جو حضرت صاحب کے مکان کا حصہ ہے) لیٹے ہوئے تھے اور میں پاؤں دبا رہا تھا کہ حجرہ کی کھڑکی پر لالہ شرمپت یا شاید لالہ ملاوامل نے دستک دی۔میں اٹھ کر کھڑکی کھولنے لگا مگر حضرت صاحب نے بڑی جلدی اٹھ کر تیزی سے جا کر مجھ سے پہلے زنجیر کھول دی اور پھر اپنی جگہ بیٹھ گئے اور فرمایا آپ ہمارے مہمان ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ مہمان کا اکرام کرنا چاہئے۔ (جلد اول صفحہ ۷۲)

اسی طرح ایک مرتبہ بیگووال ریاست کپورتھلہ کا ایک ساہوکار اپنے کسی عزیز کے علاج کے لئے آیا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اطلاع ہوئی۔ آپ نے فوراً اس کے لئے نہایت اعلیٰ پیمانہ پر قیام و طعام کا انتظام فرمایا اور نہایت شفقت اور محبت کے ساتھ ان کی بیماری کے متعلق دریافت کرتے رہے اور حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کو خاص طور پر تاکید فرمائی۔ اس سلسلہ میں آپ نے یہ بھی ذکر کیا کہ سکھوں کے زمانہ میں ہمارے بزرگوں کو ایک مرتبہ بیگووال جانا پڑا تھا۔اس گاؤں کے ہم پر حقوق ہیں۔اس کے بعد بھی اگر کوئی وہاں آجاتا تو آپ ان کے ساتھ خصوصاً بہت محبت کا برتاؤ فرماتے۔

ایک دفعہ مولوی عبدالحکیم جو نصیر آبادی کہلاتا تھا قادیان میں آیا۔ یہ بہت مخالف تھا اور وہی مولوی تھا جس نے لاہور میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ۱۸۹۲ء میں مباحثہ کیا تھا اور اس مباحثہ کے کاغذات لے کر چلا گیا تھا، وہ قادیان آیا۔حضرت نواب صاحب کو اطلاع ہوئی۔حضرت نواب صاحب نے اپنا مکان قادیان میں بنوالیا تھا اور وہ اس وقت کچا تھا اس کے ایک عمدہ کمرہ میں اس کو اتارا گیا اور ہر طرح اس کی خاطر تواضع کے لئے آپ نے حکم دیا اور یہ بھی ہدایت کی کہ کوئی شخص اس سے کوئی ایسی بات نہ کرے جو اس کی دلشکنی کا موجب ہو۔وہ چونکہ مخالف ہے اگر کوئی ایسی بات بھی کرے جو رنج دہ اور دل آزاری کی ہو تو صبر کیا جاوے۔چنانچہ وہ رہا۔میں اس مباحثہ میں جو لاہور فروری ۱۸۹۲ء میں ہوا تھا موجود تھا اور مجھے معلوم تھا کہ اس مباحثہ کے کاغذات وہ لے گیا تھا اور واپس نہ کئے تھے۔میں نے مولوی صاحب سے کہا کہ جناب مجھے آپ کی بڑی تلاش تھی آپ کے پاس مباحثہ کے پرچے ہیں۔مہربانی کر کے مجھے دے دیں۔آپ کے کام کے نہیں اور اگر اپنا پرچہ نہ بھی دیں تو حرج نہیں مگر حضرت اقدس والے پرچے ضرور دیدیں۔

مولوی عبدالحکیم صاحب کو خیال تھا کہ شاید اسے اور کوئی نہیں جانتا اور حضرت صاحب نے تو اس مباحثہ کا ذکر بھی نہیں فرمانا تھا کہ اسے ندامت نہ ہو بلکہ اخلاق و مروت کا اعلیٰ برتاؤ فرماتے رہے۔مولوی صاحب بڑے جوش سے آئے تھے کہ میں مباحثہ کروں گا اور وہ اپنے مکان پر مخالفت کرتے تھے اور بڑے جوش سے کرتے تھے۔ہم ان کی مخالفت کو سنتے اور جیسا کہ حکم تھا نہایت ادب اور محبت سے ان کی تواضع کرتے رہے آخر جب ان سے میں نے مباحثہ لاہور کے پرچے مانگے تو اس کے بعد وہ بہت جلد تشریف لے گئے اور وعدہ کر گئے کہ جاتے ہی بھیج دوں گا۔ان کے ساتھ ہی وہ مباحثہ کے کاغذات ختم ہوئے باوجودیکہ وہ مخالفت پر اتر آیا تھا اور مخالفت کرتا رہا مگر حضرت اقدس نے اس لئے کہ وہ مہمان تھا اس کے اکرام اور تواضع کے لئے ہم سب کو حکم دیا اور سب نے اس کی تعمیل کی۔اس نے مباحثہ وغیرہ تو کوئی نہ کیا اور چپکے سے چل دیا۔

بغدادی مولوی کا واقعہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ابھی کوئی دعویٰ نہ کیا تھا۔آپ مجاہدات کر رہے تھے اور عام آدمیوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک مولوی آیا جو بغدادی مولوی کے نام سے مشہور تھا۔خصوصیت سے وہ وہابیوں کا بہت دشمن تھا اور جہاں جاتا ان کی بہت مخالفت کرتا تھا۔وہ قادیان میں بھی آیا تھا باوجودیکہ وہ بہت گالیاں دیتا تھا حضرت اقدس نے اس کی بہت خدمت و تواضع کی اور اکرام مہمان کے شعار کو ہاتھ سے نہ دیا۔وہ اپنے وعظ میں وہابیوں کو گالیاں دیتا رہا۔بعد میں لوگوں نے کہا کہ جس کے گھر میں تم ٹھہرے ہوئے ہو وہ بھی تو وہابی ہے پھر وہ چپ ہو گیا۔ حضرت اقدس نے اس واقعہ کو خود بیان کیا ہے مگر اس کا نام نہیں لیا۔احسان کے متعلق تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''ایک عرب ہمارے ہاں آیا۔وہ وہابیوں کا سخت مخالف تھا یہاں تک کہ جب اس کے سامنے وہابیوں کا ذکر بھی کیا جاتا تو گالیوں پر اتر آتا۔اس نے یہاں آکر بھی سخت گالیاں دینی شروع کیں۔ اور وہابیوں کو برا بھلا کہنے لگا۔ہم نے اس کی کچھ پرواہ نہ کر کے اس کی خدمت خوب کی اور اچھی طرح سے اس کی دعوت کی اور ایک دن جبکہ وہ غصہ میں بھرا ہوا وہابیوں کو خوب گالیاں دے رہا تھا کسی شخص نے اسکو کہا کہ جس کے گھر تم مہمان ٹھہرے ہو وہ بھی تو وہابی ہے۔اس پر وہ خاموش ہو گیا۔اس شخص کا مجھ کو وہابی کہنا غلط نہ تھا کیونکہ قرآن شریف کے بعد صحیح احادیث پر عمل کرنا ہی ضروری سمجھتا ہوں''۔(بدر ۱۴؍جولائی ۱۹۰۷ء)

ڈاکٹر پینل کا واقعہ

بنوں کے ایک میڈیکل مشنری ڈاکٹر پینل تھے۔یہ شخص بڑا دولت مند اور آنریری طور پر کام کرتا تھا۔بنوں اور اس کے نواح میں اس نے اپنا جال پھیلایا۔ایک مرتبہ وہ ہندوستان کے سفر پر بائیسکل پر

نکلا اور اس نے اپنے ساتھ کچھ نہیں لیا تھا۔ ایک مسلمان لڑکا بھی اس کے ساتھ تھا۔ وہ قادیان میں آیا اور یہاں ٹھہرا۔ حضرت اقدس نے باوجودیکہ وہ عیسائی اور سلسلہ کا دشمن تھا۔ اس کی خاطر تواضع اور مہمان داری کے لئے متعلقین لنگر خانہ اور دوسرے احباب کو خاص طور پر تاکید فرمائی اور ہر طرح اس کی خاطر و مدارات ہوئی۔ اس نے اپنے اخبار تحفہ سرحد بنوں میں غالباً اس کا ذکر بھی کیا تھا۔ اور آپ کا یہ طریق تھا کہ آپ مہمانوں کے آنے پر لنگر خانہ والوں کو خاص تاکید فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ۲۵/دسمبر ۱۹۰۳ء کو جب کہ بہت سے مہمان بیرونجات سے آ گئے تھے میاں نجم الدین صاحب مہتمم لنگر خانہ کو بلا کر فرمایا کہ:

''دیکھو بہت سے مہمان آئے ہوئے ہیں ان میں سے بعض کو تم شناخت کرتے ہو اور بعض کو نہیں اس لئے مناسب یہ ہے کہ سب کو واجب الاکرام جان کر تواضع کرو۔ سردی کا موسم ہے چائے پلاؤ اور تکلیف کسی کو نہ ہو۔ تم پر میرا حسن ظن ہے کہ مہمانوں کو آرام دیتے ہو ان سب کی خوب خدمت کرو۔ اگر کسی گھر یا مکان میں سردی ہو تو لکڑی یا کوئلہ کا انتظام کرو''۔

(اخبار البدر ۸/جنوری صفحہ ۳۔۴)

اور یہ ایک مرتبہ نہیں ہمیشہ ایسی تاکید کرتے رہتے۔ بعض وقت یہ بھی فرماتے کہ میں نے تم پر حجت پوری کر دی ہے۔ اگر تم نے غفلت کی تو اب خدا کے حضور تم جواب دہ ہو گے۔

ایسا ہی ایک مرتبہ ۲۲/اکتوبر ۱۹۰۴ء کو فرمایا:

''لنگر خانہ کے مہتمم کو تاکید کر دی جاوے کہ وہ ہر ایک شخص کی احتیاج کو مدنظر رکھے مگر چونکہ وہ اکیلا آدمی ہے اور کام کی کثرت ہے ممکن ہے کہ اسے خیال نہ رہتا ہو اس لئے کوئی دوسرا شخص یاد دلا دیا کرے۔ کسی کے میلے کپڑے وغیرہ دیکھ کر اس کی تواضع سے دستکش نہ ہونا چاہئے کیونکہ مہمان تو سب یکساں ہی ہوتے ہیں اور جو نئے ناواقف آدمی ہیں تو ہمارا حق ہے کہ ان کی ہر ایک ضرورت کو مدنظر رکھیں۔ بعض وقت کسی کو بیت الخلاء کا ہی پتہ نہیں ہوتا تو اسے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ مہمانوں کی ضروریات کا بڑا خیال رکھا جاوے۔ میں تو اکثر بیمار رہتا ہوں اس لئے معذور ہوں۔ مگر جن لوگوں کو ایسے کاموں کے لئے قائم مقام کیا ہے یہ ان کا فرض ہے کہ کسی قسم کی شکایت نہ ہونے دیں۔

(اخبار الحکم ۲۴/ نومبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۔۲)

☆......☆......☆

(الفضل انٹرنیشنل ۳۱/جولائی ۱۹۹۸ء تا ۲۷/اگست ۱۹۹۸ء)